Vol 4 No.4 2020

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

اردو ناول میں سیاسی تشخص کے حامل کرداروں کی مرکزیت (ابن الوقت کے تناظر میں)

*نمرہ حنیف

**راؤ محمد عمر

***ارسلان یوسف

ABSTRACT:
Urdu novel as a established genre of literature with the traditional history of approx. one and half century depicts great diversity of topics. These topics cover every inch of human life from their personal life and subjective issues to objective conditions and crisis. In the perspective of world literature as well as Urdu literature, political conditions and politics have great impact upon literature. So Urdu novel as a popular genre of literature have big portion of political consciousness. There are a number of novels which depicts the political perspectives of political characters and 'Ibn ul waqt' is one of them. This type of novels having political characters and consciousness are very significant source to understand political conditions of that era and those personalities as well.

سیاست (Politics) ”ساس“ سے مشتق ہے جو یونانی لفظ ہے جس کے معنی شہر اور شہر نشین کے ہیں جب کہ فیروز اللغات اردو جدید کے مطابق اس کے معنی درج ذیل ہیں:

”حکومت، سلطنت، ملکی انتظام، رعب داب، مالی، سزا۔“ [1]

جب کہ انگریزی میں اس کی تعریف کچھ یوں کی گئی ہے۔

"*Politics (from Greek: politikos, definition "of, for, or relating to citizen") is the process of making decisions applying to all members of each group, more normally, it refers to achieving and exercising positions of governance - organized control over a human community, particularly a state. Furthermore, politics is the study of practice with in a given community (a usually hierarchically organized population) as well as the interrelation between communities. It is often said that politics is about power.*" [2]

سیاست ایک ایسا عمل ہے جس میں حکومت، سلطنت، ریاست اور ملکی نظام اور مسائل کو زیرِ بحث لایا جاتا ہے اور انتظامی امور، اقتدار کے حصول اور عوامل، فنکشنز (Functions) کو طے کیا جاتا ہے اور ان امور کو زیرِ بحث لایا جاتا ہے۔ سیاست کے ساتھ حصولِ طاقت کا شعور بہت گہرا ہے۔ بعض فلسفیوں کے نزدیک سیاست کا ایک لفظی مطلب طاقت ہے۔ سیاست کو ایک صفت کے طور پر بھی لیا جاسکتا ہے، ایک طریقہ کار اور نظام کے طور پر بھی۔

---

*پی ایچ ڈی اسکالر، جی سی یونیورسٹی، لاہور

**پی ایچ ڈی اسکالر، جی سی یونیورسٹی، لاہور

***سبجیکٹ اسپیشلسٹ، ڈی پی ایس، لاہور

شعورِ سیاست اور سیاسی بصیرت سے مراد کسی شخص کا اپنے گروہ، اپنی رعایا یا اپنے ہم نظریہ لوگوں سے میل جول، نظریہ سازی، بحث و مباحثہ، حصول اقتدار اور ان کے لیے کاوشوں کا طریقہ کار ہے، جو کہ ہر دور میں بدلتا رہتا ہے۔ جب کہ اس کے مقابلے میں اگر اسے ایک نظام کے طور پر لیا جائے تو اس سے مراد ریاست، حکومت، سلطنت اور ملکی نظامِ اقتدار، قانون سازی اور جنگی حکمتِ عملی وغیرہ شامل ہیں۔ ایک نظام کے طور پر سیاست کی تعریف و تشریح ہر دور میں بدلتی رہتی ہے۔ قبائلی دور سے بادشاہت اور بادشاہت سے جمہوریت تک، ہر دور میں اس کے طریقہ اور دائرہ اختیار میں کمی بیشی ہوتی رہی ہے۔ مگر قبائلی دور کے سرداروں سے لے کر، بادشاہوں، صدور اور وزرا تک یہ بات تو طے ہے کہ یہ وہ طریقہ کار ہے کہ جس میں ایک گروہ، قبیلے، سلطنت، ملک یا ریاست کے لوگ اپنی طاقت اور اختیار ایک آدمی یا ایک گروہ کے سپرد کر دیتے ہیں۔ یہ وہ شخص یا گروہ ہے جسے وہ اپنے سے بہتر خیال کرتے ہیں یا جبراً ان سے یہ منوایا جارہا ہوتا ہے۔ سیاست میں تفویض اور سپردگیٔ طاقت کے اصول مرتب ہوتے رہتے ہیں۔ جس میں مختلف قسم کے مقاصد کو زیرِ نظر یا زیرِ غور رکھا جاتا ہے۔ ہم اسے سیاست کی اقسام بھی کہہ سکتے ہیں:

☆ اقتدار کے حصول کے لیے

☆ حقوق کے حصول کے لیے

☆ مذہبی اقدار کے تحفظ کے لیے

☆ ذاتی مفادات کے تحفظ کے لیے

☆ نظریاتی روایات کے تحفظ کے لیے

اگر ہم لفظ سیاست کے پیچھے چھپے ہوئے اُس تاریخی شعور اور تہذیبی مفہوم کو دیکھیں تو ہمیں پتہ چلے گا سیاست کو فقط لفظی معانی کی وساطت سے نہیں سمجھا جا سکتا بلکہ دیگر تمام چیزوں کی طرح سیاست کی اصطلاح میں بھی ہمیں انسانی ذہن کی ارتقائی اور فکری تبدیلیوں کا مشاہدہ ملتا ہے کہ یہ وہی خیال اور طرزِ حیات ہے جس میں گھر کا بڑا فرد کمزور، ضعیف، بوڑھوں اور بچوں کو حفاظت اور خوراک وغیرہ فراہم کیا کرتا تھا۔ آہستہ آہستہ قبائلی دور کا آغاز ہوا اور لوگوں نے ایک سردار کے تابع فرمان جینا سیکھا اور مل کر اپنے علاقے، عورتوں اور کھانے پینے کے ذرائع کی حفاظت کا سوچا۔ یہیں سے انسان نے تفویضِ طاقت کا نشہ چکھا۔ طاقتور نے کمزور کو دبوچا۔ شخصی طاقت کے ساتھ ساتھ انسان ذرائع طعام، علاقوں اور غلاموں کی طاقت سے بہرہ ور ہوا۔ جو وقت کے ساتھ ساتھ مختلف شکلیں بدلتا رہا۔ سیاست کے ساتھ ساتھ طاقت کا شعور اور وجود گہرا ہوتا گیا۔ بادشاہی دور تک آتے آتے یہ ایک واضح شکل اختیار کر گیا۔ جہاں طاقت اُس تخت سے منسوب ہوتی گئی کہ جس پر بیٹھنے والا ہر شخص اُس سلطنت، لعل و جواہر، مال و دولت

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 4 No.4 2020

(دولت کا نظام چلنے کے بعد)، لشکر اور رعایا کا مالک بن جاتا بلکہ انگلینڈ (England) میں یہ ضرب المثل (Maxim) بہت مشہور ہے کہ "The crown never dies." اس کے علاوہ اس سیاسی نظام کو سمجھنے کے لیے ایک اور انگلش ضرب المثل مشہور ہے کہ "The king can do no wrong."۳

یعنی مطلق العنانیت کا یہ عالم تھا کہ وہ جو بھی کرے، سلطنتی امور سے لے کر جنگی امور تک اُس کی بات کو سند حاصل تھی۔ تہذیبی اور فکری ارتقا کے ساتھ ساتھ انسان نے دیگر طریقہ ہائے سیاست سیکھے اور نئے اصول متعارف کروائے۔ دورِ حاضر میں جمہوری نظامِ سیاست میں طاقت کا سرچشمہ شہریوں کو تصور کیا جاتا ہے۔ جہاں رائے عامہ کے بعد اس عُہدے کو کسی ایسے گروہ یا شخص کے سپرد کر دیا جاتا ہے کہ جسے کثرت رائے اور زیادہ شہریوں یا رعایا کی حمایت حاصل ہوتی ہے۔ مگر اس عہدہ کے ساتھ اور اُس کرسی کے ساتھ طاقت کا تصور ٹھیک اسی طرح جڑا ہوا ہے کہ جس طرح روزِ اول جڑا ہوا تھا۔ فقط اندازِ سیاست اور اصولِ سیاست وقت کے ساتھ ساتھ تبدیل ہو کر اس سطح تک آتے رہے۔

اگر ادب اور سیاست کے باہمی تعلق اور ادب میں سیاسی محرکات اور عناصر کی آمیزش اور ان کی ترویج و اشاعت کی بات کی جائے تو ہمیں اس امر پر توجہ مرکوز کرنا ہوگی کہ فرد بطور انفرادی اکائی کے بقا کے مراحل طے نہیں کر سکتا۔ لہٰذا آپسی ربط اور امداد کی ضرورت کے پیشِ نظر تہذیبیں، معاشرے، قومیں اور سلطنتیں ظہور پذیر ہوتی رہیں اور فرد نے بطور اجتماع کے معاشروں اور تہذیبوں میں رہنا سیکھا۔ جہاں مادی لین دین کے ساتھ ساتھ غیر مادی لین دین کا سلسلہ بھی چل نکلا، یہ غیر مادی سرمایہ خیالات، افکار اور نظریات پر مشتمل تھا۔ ہر انسان نے انفرادی تجربات (جو کہ فقط اس کی ذات سے متعلق تھے) اور اجتماعی تجربات (جو اس کی ذات نے بطور اجتماع یا معاشرے میں رہتے ہوئے محسوس کیے) کو کسی نہ کسی صورت آگے منتقل کیا۔ لہٰذا تہذیبوں اور معاشروں کے اس سینہ بہ سینہ علم اور تجربات سے چند اصول وضع کیے جو کہ وقت کے ساتھ ساتھ وسیع تر ہوتے چلے گئے۔ لوگوں نے ان اصولوں اور تجربات کی ترویج و اشاعت کے لیے آرٹ اور کلام کو وسیلۂ اظہار بنایا۔ جو کہ ایک خاص زمان و مکان میں رہتے ہوئے اپنی محسوسات اور تجربات کو اُن تجربات اور اصولوں کی روشنی میں پرکھ کر بیان کرتے رہے۔ لہٰذا باقی تمام شعبہ ہائے زندگی کی طرح آرٹ (ادب) میں سیاسی شعور کا موجود ہونا ایک فطری سی بات ہے۔

ہر دور میں کسی نہ کسی صورت میں چاہے وہ شاعری ہو یا ڈرامہ، نظم ہو یا افسانہ، سیاسی شعور یا سیاسی نظریات کی ترویج و اشاعت کے لیے ادب کو وسیلۂ اظہار بنایا جاتا رہا ہے۔ اگر ہم قدیم ادب کی بات کرتے ہیں تو کلاسیکی انگریزی ادب کے Old English period یعنی Anglo Saxon دور، جس کا دورانیہ ۶۷۰ء-۱۱۰۰ء ہے میں

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 4 No.4 2020

رجزیہ شاعری کو بے پناہ مقبولیت حاصل تھی۔ جس میں ان کے بادشاہوں کے قصیدے، جنگی حالات، فتوحات اور ان کے جنگی سورماؤں کی شجاعت کے قصے سنائے جاتے تھے۔ ہندوستان میں بھی اگر قدیم ہندی مذہبی کتابوں یعنی رامائن وغیرہ کو پڑھا جائے تو ان میں بھی ہمیں اس طرح کے قصے پڑھنے کو ملتے ہیں جو اپنے اندر مذہبی نظریات کے ساتھ ساتھ سیاسی نظریات اور شعور بھی سمیٹے ہوئے ہیں۔ فقط رامائن وغیرہ ہی نہیں، جتنے بھی مذہب ہیں ان تمام مذاہب کی کتابوں میں مذہبی نظریات کے ساتھ ساتھ سیاسی نظریات اور شعور بھی دیا گیا ہے۔ چونکہ فرد کی بقا اجتماع میں ہے اور اجتماع اور معاشرے میں رہتے ہوئے انسان نے وہ اصول بھی وضع کر لیے کہ جنھیں اصولِ سیاست کہا جاتا ہے۔

سیاست کی تفہیم و تعبیر سے آگے بڑھتے ہوئے، ادب اور سیاست کے باہمی تعلق پر بات کی جائے تو اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ادب پر سیاسی حالات اور معروضی حقائق کے گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ انگریزی ادب کی طرح اردو ادب کی کلاسیکی روایت میں بھی شاہی قصائد، شاہوں سے متعلق مہماتی مثنویوں اور رزم ناموں کو زیادہ مقبولیت حاصل رہی ہے۔ اس کے علاوہ شہر آشوب اور مرثیوں میں بھی سیاسی واقعات، نظریات اور شعور کو جگہ دی گئی، مگر جب ہم نثری ادب کی بات کرتے ہیں تو انگریزی اور اردو دونوں زبانوں کے ادب میں افسانہ وہ صنفِ ادب ہے کہ جو گہرا سیاسی شعور سمیٹے ہوئے ہے۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ افسانہ نگاری کا رجحان اور اس کی مقبولیت کافی لمبے عرصے پر محیط ہے جو کہ اب تک جاری ہے مگر جب ہم ناول کی بات کرتے ہیں تو ہمیں ناول کے حوالے سے یہ بات تسلیم کرنا پڑے گی کہ باقی اصناف کی نسبت ناول وہ کارآمد صنف ہے جو کہ ادیب کا مافی الضمیر بیان کرنے کے لیے بہترین ذریعہ ہے۔ لہٰذا ادب اور سیاست سے آگے بڑھتے ہوئے جب ہم ناول اور سیاست یا سیاسی شعور کی بات کرتے ہیں تو ہمیں یہ بات تسلیم کرنا پڑے گی کہ سیاسی افکار و نظریات اور تاریخ و شعور کی جتنی گہرائی ہمیں ناول میں ملتی ہے۔ وہ کسی اور صنفِ ادب میں نہیں ملتی۔ اس امر کی وجوہات درج ذیل ہیں۔

۱۔ بیانیے اور اظہار کی آزادی

۲۔ پلاٹ کا پھیلاؤ اور سیر حاصل مواد

۳۔ جامع اندازِ تحریر

۴۔ حقائق اور واقعات پر مدلل گفتگو

ان وجوہات کے علاوہ دوسری قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ اردو ناول کی ابتداء جن ابتر اور کسمپرسی کے حالات میں ہوئی، وہ دور برصغیر کے سیاسی اور سماجی بحران کا دور تھا اور یہ امر ضروری تھا کہ اردو ناول میں ان نازک حالات کا

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 4 No.4 2020

عکس نظر آتا۔ لہٰذا اگر ہم اس دور کے ناولوں کی بات کریں تو ہم دیکھیں گے کہ کم و بیش تمام ناول اپنے اندر گہرا سیاسی، تہذیبی اور سماجی شعور سمیٹے ہوئے ہیں کیونکہ واقعات، سانحات اور حادثات زمان و مکان میں واقع ہوتے ہیں۔ یہ معروضات پورے معاشرے اور انفرادی فرد کی زندگی پر گہرے اثرات مرتب کرتے ہیں۔ چونکہ کردار، ادیب یا مصنف اور قاری خود زمان و مکان، تہذیب و تمدن، تاریخ، سماج اور سیاسی حالات سے تعلق رکھتے ہیں۔ لہٰذا ہر کردار سماجی بھی ہوتا ہے، تہذیبی بھی، تاریخی بھی اور کسی نہ کسی صورت سیاسی بھی اور رہی بات ان کی تقسیم کی، تو جن کرداروں یا مجموعی طور پر ناول سے، جو پہلو زیادہ ابھر کر سامنے آرہا ہو، اسے اس مخصوص قسم سے منسوب کر دیا جاتا ہے۔ جیسے تہذیبی ناول، سماجی ناول یا تاریخی ناول وغیرہ۔

یونہی اگر کرداری ناولوں کے حوالے سے بات کریں تو سماجی کرداری ناول، تہذیبی کرداری ناول، تاریخی کرداری ناول اور سیاسی کرداری ناول وغیرہ کرداری ناولوں کی اقسام ہیں۔ درج بالا مفروضات کی روشنی میں کردار کے متعلق یہ بات تو واضح ہو جاتی ہے کہ کردار بھی ادیب کی طرح سے کسی معروض اور زمان و مکان کا حصہ ہوتا ہے۔ جہاں کہانی کے اندر کردار واقعاتی لحاظ سے متوازی سمت میں آگے کی طرف گامزن رہتا ہے۔ جب کہ عمودی طرف سے زمان و مکان کے معروضات اس کو گھیرے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان میں زمان، مکان، نظریات، مذاہب، تہذیب، تاریخ اور سماجی اور سیاسی حالات وغیرہ آتے ہیں۔ کیونکہ کردار کا بھی فرد کی طرح کسی زمان و مکان اور گردوپیش میں موجود ہونا لازم ہے۔ لہٰذا ادیب نے اپنے کردار کو جس پہلو کی منظر کشی اور تمثیل کے لیے تراشا ہوتا ہے یا جن پہلوؤں اور گوشوں کو ادیب اس کردار کے ذریعے ابھارنا چاہ رہا ہوتا ہے وہ کردار پر اس کا ٹیگ (Tag) لگا دیتا ہے۔ مثلاً شرر کے ناول ''فردوس بریں'' کو دیکھا جائے تو یہ ناول ایک ہی وقت میں سماجی، تہذیبی، تاریخی اور سیاسی شعور سمیٹے ہوئے ہے۔ مگر عموماً اس کو تاریخی ناولوں کی ذیل میں ہی رکھا جاتا ہے حالانکہ اس میں فرقۂ باطنیہ کے سیاسی مقاصد کا ذکر بھی کیا گیا ہے اور کردار تاریخی بھی ہیں اور سیاسی بھی۔

اسی طرح اگر تہذیبی ناول ''امراؤ جان ادا'' کو دیکھا جائے تو یہ ناول فقط تہذیب و تمدن کی ہی عکاسی نہیں کرتا، بلکہ اس میں اُس دور کے سماجی حالات کا بھرپور شعور اور منظر کشی بھی موجود ہے۔ یہ امر بھی خاصہ توجہ طلب ہے کہ لکھنؤ کی جس تہذیب کی عکاسی اس ناول اور اس کے کرداروں کے ذریعے کی گئی ہے وہ بھی تاریخ کا حصہ ہے۔ سیدھے لفظوں میں یہ اس تاریخ کے تہذیبی و سماجی پہلوؤں کی عکاسی و غمازی کرتا ہے۔ ان تمام پہلوؤں کو پسِ پست ڈال کر بعض لوگ نسیم حجازی کے لکھے ہوئے ناولوں کو تاریخی ناول کہہ دیتے ہیں۔ حالانکہ ان کے ناولوں میں سیاسی محرکات و عناصر کی موجودگی بھی بہت گہری ہے۔ ٹیپو سلطان کے ناول میں تاریخ کے علاوہ اُس دور کی بدلتی ہوئی

سیاست کی کہانی بھی ہے۔ اُس کروٹ بدلتی سیاسی صورت حال کی مکمل کہانی اس ناول کا بنیادی حصہ ہے۔ جب کہ محمد بن قاسم کی شخصیت تاریخی ہونے کے ساتھ ساتھ برصغیر میں بدلتے ہوئے سیاسی حالات کا منظر نامہ بھی ہے۔ لہٰذا یہ کہنا بجا ہے کہ نسیم حجازی کے ناول ''محمد بن قاسم''، ''یوسف بن تاشفین''، ''پورس کے ہاتھی''، ''قافلہ حجاز'' اور ''اور تلوار ٹوٹ گئی'' وغیرہ سیاسی کرداری ناول ہیں۔ جب کہ قاضی عبدالستار کا ناول ''دارالشکوہ'' بھی اپنے اندر سیاسی بصیرت اور شعور سمیٹے ہوئے ہے۔ کیونکہ اگر ان کرداروں اور ہیروز کو دیکھا جائے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ ایک تو مقامی ہیروز ہوتے ہیں اور دوسرے نظریاتی یا مذہبی۔ لہٰذا سیاسی تشخص کے حامل کرداروں کے حوالے سے یہ مفروضات قائم کیے جاسکتے ہیں کہ ان سیاسی کرداری ناولوں کی ضرورت درج ذیل وجوہات کی بنا پر محسوس کی گئی:

ا۔ لوگوں کو ان کے قومی، نظریاتی یا مذہبی ہیروز کے ذریعے ان کے ماضی سے روشناس کرانے کے لیے

۲۔ اپنے اُن علاقائی، مذہبی یا نظریاتی کرداروں (ہیروز) کے ذریعے اپنے نظریات کا پرچار۔

ان مفروضات کی روشنی میں اردو ناول میں سیاسی تشخص کے حامل کرداروں کے حوالے سے ''ابن الوقت'' کا ذکر کیا جائے تو اس ناول میں دو قسم کے کردار دیکھنے کو ملتے ہیں۔ ان دو طرح کے کرداروں میں ایک تو وہ کردار ہے جو کہ ایک تہذیب میں رہتے ہوئے، درآمدی تہذیب کو اپنانے اور مفاہمت کی پالیسی اختیار کرنے کی بات کرتا ہے جسے بعض لوگ سرسید کے کردار سے تعبیر کرتے ہیں۔ دوسرا وہ کردار ہے جو مقامی مسلم روایت اور تہذیب کا دلدادہ ہے اور بعض ناقدین اسے نذیر احمد کا اپنا کردار قرار دیتے ہیں جب کہ بعض کے نزدیک یہ فقط تخیلاتی کردار ہے۔ جس سے سیاسی نظریات کی ترویج و اشاعت کا کام لیا گیا ہے۔

سیاسی کردار نگاری کے حامل ناولوں میں مولوی نذیر احمد کے ناول ''ابن الوقت'' کو خاصی اہمیت حاصل ہے۔ ایک تو یہ مولوی نذیر احمد جیسے صاحب بصیرت شخص کی تخلیق ہے جس کے پیچھے ایک خاص مقصدیت کارفرما تھی۔ دوسرا وہ اُس سیاسی اور سماجی بحران کے چشم دید گواہ تھے جس سے برصغیر کی عوام خصوصاً مسلمان دوچار تھے۔ یوں تو مولوی نذیر احمد کے تمام ناول مقصدیت پسندی کے حامل ہیں مگر ''ابن الوقت'' میں اُس کا دائرہ، خاندانی اصلاح سے بڑھ کر معاشرے کی اجتماعی اصلاح تک وسیع ہوتا نظر آتا ہے۔ بقول ڈاکٹر مظفر عباس:

> ''اس (سیاسی) وسیع تر مقصدیت کا سب سے بڑا نمونہ اُن کا ناول ''ابن الوقت'' ہے جسے اپنے عہد کا ''رزمیہ'' قرار دیا گیا ہے۔ اس ناول کا مقصد خود نذیر احمد نے ''ابن الوقت'' کے پہلے ایڈیشن کے سر

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 4 No.4 2020

ورق پر یوں بیان کیا ہے۔ ”وضع ظاہر، لباس اور طرز تمدن میں انگریزوں کی تقلید کے نقصان دکھا کر مسلمانوں کو اس سے باز رکھا جائے۔“ ۵

ابن الوقت کے سیاسی حالات کا جائزہ لیا جائے تو یہ عرصہ مسلمانوں کے لیے کافی تنگ تھا جہاں ایک طرف تو وہ انگریزی تعلیم کو کفر اور الحاد سے تعبیر کر رہے تھے تو دوسری جانب انگریز حکومت نے نوکریوں کے دروازے اُن پر بند کر رکھے تھے۔ ان حالات میں سر سید نے مسلمانوں کی اصلاح کے لیے ایک تحریک کا آغاز کیا جس کا مقصد مسلمانوں کو انگریزی تعلیم کی طرف راغب کرنا تھا تاکہ وہ اچھے عہدوں پر فائز ہو سکیں اور اُن کی معاشرتی، سماجی اور معاشی زندگی میں بہتری آسکے۔ یوں تو مولوی نذیر احمد اُن کی خدمات سے کافی متاثر تھے اور تحریک سر سید کے رکن بھی کہلائے مگر ”ابن الوقت“ میں جس فکر اور نظام تعلیم کا ذکر مولوی نذیر احمد نے کیا اس سے سر سید اور نذیر احمد کے فکری اختلافات بڑے واضح انداز میں منظرِ عام پر آئے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ لکھتے ہیں کہ:

”ابن الوقت کے ابھارے ہوئے علمی نظریات اگر شبلی کے قلم سے نکلتے تو صرف چند خوش مذاق اور وسیع النظر عالموں سے خراج تحسین حاصل کر سکتے یا اگر حالی کے قلم سے ادا ہوتے تو زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا کہ لوگ پکار اٹھتے کہ یہ اچھی اچھی نرم نرم باتیں ہیں، ان میں ضرور کوئی نیکی کی بات ہو گی کیونکہ حالی جیسی نیک طبیعت اور مخلص آدمی کہہ رہے ہیں، مگر نذیر احمد کے علمی و عقلی نظریات تو عوام الناس کے دلوں میں یوں راسخ ہو گئے کہ گویا یہ صدیوں کے عقائد ہیں جو طبیعتوں میں موروثی طور پر راسخ ہیں۔ مجھے اس لیے اکثر یہ خیال آیا کہ سر سید کے بعد سر سید کی ذہنی و فکری تحریک کا سب سے بڑا نمائندہ اگر کوئی تھا تو وہ نذیر احمد تھا۔“ ۶

اس تمام پس منظر میں نذیر احمد کا یہ ناول ”ابن الوقت“ فقط مسلمانوں کے معاشرتی اور تہذیبی بحران کا نوحہ ہی نہ تھا بلکہ اس میں انھوں نے اس بحران سے نکلنے کے راستے اور حکمتِ عملی بھی پیش کی۔ لہٰذا اکثر نقادوں نے ”ابن الوقت“ کو اک سیاسی، تہذیبی اور معاشرتی ناول قرار دیا ہے۔ یہ ناول مندرجہ ذیل عناصر پر مشتمل ہے۔

i۔ اپنے عہد کا عصری، تہذیبی، معاشرتی اور سیاسی شعور۔

ii۔ اپنے عہد کی سیاسی تنزلی کا مرقع۔

iii۔ معاشرتی مسائل اور ان کا حل۔

iv۔ مذہبی نقطہ نظر اور واضح موقف۔

v۔ ان سب حالات کے پیشِ نظر مسلمانوں کے لیے لائحہ عمل کا تعین۔

vi۔ قدامت پرستی۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 4 No.4 2020

قصہ مختصر، اس ناول میں نذیر احمد نے تصویر کے دونوں پہلو دکھائے ہیں اُن کے نزدیک یہ سب مسلمانوں کی بداعمالیوں کا نتیجہ ہے۔ ان ابتر حالات کی ذمہ دار فقط انگریز حکومت نہیں تھی بلکہ ان حالات کی ذمہ داری مسلمانوں کے داخلی انتشار اور سیاسی کوتاہیوں، خامیوں اور کمزوریوں پر بھی ہے۔ یہاں تک تو سرسید احمد خان اور مولوی نذیر کے افکاروخیالات اگرچہ ایک جیسے ہیں مگر اپنے ان مسائل کا حل تجویز کرتے وقت مولوی نذیر احمد شعوری یالاشعوری طور پر سرسید سے اختلاف کرتے نظر آتے ہیں۔ شعوری یالاشعوری اس لیے کہ بعض ناقدین کے نزدیک سرسید اور مولوی نذیر کے باہمی تعلقات کسی اختلاف کے حامل نہیں تھے۔ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی نے نذیر احمد پر اپنی ڈاکٹریٹ کے مقالے میں سر سید احمد کے ان تعلیمی نظریات کے حوالے سے اختلافات کی تردید کی ہے۔ اُن کے مطابق جس سال ”ابن الوقت“ شائع ہوئی اس سال نذیر احمد نے سرسید کی دعوت پر لاہور میں منعقدہ پہلی ایجوکیشنل کانفرنس میں شرکت کی تھی مگر یہاں یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ کیا اس کانفرنس میں شرکت سے بھی یہ مراد لیا جاسکتا ہے کہ مولوی نذیر جو کہ ایک کٹر مذہبی نقطہ نظر کے حامل تھے، وہ اُن تمام افکار و نظریات سے متفق تھے کہ جو نظریات سرسید احمد خان رکھتے تھے۔

”تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند“ جلد چہارم سے یہ اقتباس اُس رائے کے حامل نقادوں کو کافی تقویت دیتا ہے، جن کا ماننا ہے کہ مولوی نذیر اور سرسید احمد کا باہمی تعلق دوستانہ اور مخلصانہ تھا:۔

> ”ابن الوقت‘ کی اشاعت کے بعد بعض لوگوں نے یہ رائے ظاہر کی کہ ’ابن الوقت‘ کے پردے میں سرسید کی ذات پر حملہ کیا گیا ہے اور اب بھی لوگ سرسید اور نذیر احمد کے ذاتی تعلقات سے بے خبر ہیں۔ ابن الوقت، کو سرسید کی شخصیت کا چربہ قرار دیتے ہیں۔ سرسید سے نذیر احمد کی دلی عقیدت اور ان باہمی خلوص و اعتماد کے پیش نظر ذاتی حملے کا الزام بے بنیاد ہے۔ البتہ یہ حقیقت ہے کہ اس ناول میں پوری علی گڑھ تحریک کے تجزیے و تبصرے کو موضوع بنایا گیا ہے اور اس دور کی ذہنی و معاشرتی کشمکش کی تصویر کھینچی گئی ہے لیکن نذیر احمد کا نقطہ نظر حریفانہ یا مخاصمانہ نہیں بلکہ دوستانہ، مخلصانہ ہے۔ یوں سمجھنا چاہیے کہ جس طرح اس ناول میں ’حجۃ الاسلام‘ ،ناول کے ہیرو ’ابن الوقت‘ کا عزیز و خیر خواہ بھی ہے اور اس کا نکتہ چیں بھی، اسی طرح نذیر احمد علی گڑھ تحریک کے مبلغ بھی تھے اور نقاد بھی۔“ ۷

اس کے علاوہ ناقدین کے دوسرے مکتبہ فکر کے مطابق ’ابن الوقت‘ جن سیاسی اور سماجی ضرورتوں کے پیشِ نظر لکھا گیا اُن میں سے ایک وجہ سرسید اور مولوی نذیر احمد کے فکری یا مذہبی اختلافات بھی تھے کیونکہ سرسید حتی الوسع نیچر اور سائنس کی طرف داری کرتے ہیں اور ڈپٹی نذیر حتی الوسع اسلام کی۔ گو کہ ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 4 No.4 2020

نذیر احمد پر ہونے والے اپنے ڈاکٹریٹ کے مقالے میں ان اختلافات کی تردید کرتے نظر آتے ہیں مگر پھر بھی ایک جگہ وہ یہ لکھنے سے بعض نہ رہ پائے کہ:

"ابن الوقت" کے گہرے مطالعے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سرسید اور مولوی نذیر احمد کے اختلافات کی نوعیت وہی ہے جو کہ ایک ہی مکتب فکر کے انتہا پسند اور اعتدال پسند مفکروں کے درمیان ہو سکتی ہے۔" ۸

چونکہ یہ دور مسلمانوں کے لیے یہ سمجھ لینے کا دور تھا کہ اگر وہ یونہی ہاتھ پر ہاتھ دھرے کسی معجزے کا انتظار کرتے رہے تو اُن کی حالت مزید دگر گوں ہو جائے گی لہٰذا انھیں اپنی تعلیمی اصلاح کے ساتھ ساتھ سماجی اور معاشرتی اصطلاحات اور رویوں میں بھی اصلاح کی ضرورت ہے۔ یہاں سرسید کا نقطہ نظر اعتدال پسندی کی طرف مائل تھا اور ان حالات میں مسلمانوں کو بھی جدید دور کے تعلیمی اور سماجی تقاضوں سے روشناس کروانا چاہتے تھے جب کہ مولوی نذیر احمد اُس قدامت پسندانہ مذہبی روایات کو اُن مسائل کا حل سمجھتے تھے اور ان کا جھکاؤ فکری اور فطری طور پر مذہب کی طرف تھا۔ ڈاکٹر مظفر عباس نے اپنی کتاب "اردو ناول کا سفر" میں ان اختلافات کا خلاصہ کچھ یوں بیان کیا ہے:

۱۔ "نذیر کا جھکاؤ خود اپنے بقول مذہب کی طرف جب کہ سرسید احمد کا سائنس کی طرف تھا جیسا کہ فرحت اللہ بیگ نے بجا طور پر لکھا ہے کہ نذیر احمد مذہب کے بغیر لقمہ نہیں توڑتے تھے۔

۲۔ سرسید کا سارا زور تعلیمی میدان میں شرفاء کی ترقی پر تھا جب کہ نذیر احمد مسلمانوں کے ادنیٰ اور متوسط طبقوں کے اندر صنعت و حرفت اور دستکاری کے ذریعے انقلاب لانا چاہتے تھے۔

۳۔ دونوں کے معاشرتی اور مذہبی اصلاح کے طریق کار میں فرق تھا۔ تاہم تعلیمی ترقی پر دونوں کا مطمع نظر رہا۔

۴۔ سرسید انگریزی تہذیب کے پورے طور پر دلدادہ جب کہ نذیر احمد نرے مولوی کے مولوی تھے۔

۵۔ سرسید عقلِ محض، نذیر احمد کٹھ مُلا۔"

"ان اختلافات کا مزید اظہار اس حقیقت سے بھی ہوتا ہے کہ سرسید تحریک کے لیے اتنی زیادہ خدمات کے باوجود نذیر احمد کی وفات پر علی گڑھ کالج سوگ میں بند نہ ہوا اور کالج کی سنڈیکیٹ نے ان کی یادگار بنانے کی مخالفت بھی کی۔" ۹

ایک اور جگہ پر وہ ان اختلافات کا ذکر کرتے ہوئے اُن نقادوں کا ذکر کرتے ہیں کہ جن کے مطابق ابن الوقت کے کردار دراصل سرسید احمد خان اور مولوی نذیر احمد خان بذات خود ہیں۔ اس لئے بعض مبصرین کی رائے یہ

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 4 No.4 2020

ہے کہ:

"ابن الوقت" میں نذیر احمد نے سر سید کے نظریات کا مضحکہ اڑایا ہے اور "ابن الوقت" کا کردار حقیقتاً خود سر سید کے کردار کو سامنے رکھ کر تشکیل دیا ہے۔" ۱۰

علی عباس حسینی اپنی کتاب "ناول کی تاریخ اور تنقید" میں "حجۃ الاسلام" کو خود نذیر احمد کی شخصیت کا آئینہ دار سمجھتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

"انھوں نے جس طرح اس معاملے کو انجام دیا ہے اور جس خوبصورتی سے "ابن الوقت" کی صفائی شارپ صاحب کے سامنے پیش کی ہے وہ ان کی ذہانت اور قابلیت پر دال ہے۔ اُن کی سیرت میں خود داری اور غیرت ہے۔ انھوں نے شارپ صاحب کی بے جا خوشامد نہیں کی بلکہ بہت آزادی سے گفتگو کی۔ یہ پورا کردار خود نذیر احمد کی شخصیت کا آئینہ دار ہے۔ حجۃ الاسلام انھی کی طرح ڈپٹی ہیں اور انھی کی طرح مولوی۔ وہ ابن الوقت سے خفا بھی ہیں لیکن اس کے معاملات سُلجھانے بھی آئے ہیں۔ اس کے ہاں کھانے، پینے اور قیام سے پرہیز کرتے ہیں لیکن اس کو مسلمان سمجھتے ہیں۔ مجموعی حیثیت سے اس کردار میں نصوح سے کہیں زیادہ جذب ہے۔" ۱۱

اس تمام بحث کا ماحاصل اس امر کو قرار دیا جا سکتا ہے کہ سر سید کا کردار نذیر احمد کے نقطۂ نظر کے ساتھ ساتھ اس حقیقت کا بھی غماز ہے کہ وہ Radicalist اور Reformer ہوتے ہوئے بھی ایک روشن خیال اور enlightened Conservative کے طور پر ہمارے سامنے آتے ہیں۔ جس میں معاشرے کی اصلاح کا جذبہ بھی موجود ہے اور تمام تر سماجی مسائل کو منطقی تجزیوں کے مطابق پرکھنے کی کاوش بھی دکھائی دیتی ہے۔ اس طرح سر سید بیک وقت معاشرتی و تمدنی اقدار کے داعی بھی نظر آتے ہیں اور اس کا ایک منطقی پہلو یہ بھی ہے کہ وہ ایک سیاسی نقطۂ نظر کی بالواسطہ طور پر نمائندگی کرتے ہیں۔ لہٰذا ان کا انتہا کو مادی، علمی اور scientific طرزِ احساس سے دیکھنا اور انھیں معاشرے کی فلاح کے لیے قابلِ عمل بنانا بجائے خود ایک سیاسی عمل ہے۔ چنانچہ اس حقیقت کا اعتراف ضروری ہے کہ سر سید کا کردار مخصوص سیاسی نقطۂ نظر کا حامل دکھائی دیتا ہے اور یوں یہ اردو ناول نگاری میں کرداروں کی مرکزیت کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ انھی حقائق کی روشنی میں جتنے بھی مسلم اکابرین اور دیگر حریت پسند ہیروز کے کردار ناولوں میں تخلیق کیے گئے، وہ اسی نقطۂ نظر کے زیرِ اثر سیاسی افکار و خیالات کے پیروکار بھی تھے۔ اگرچہ ایک مخصوص عہد میں ان کو سماج نے مختلف طبقات اور نظریات کے خانوں میں تقسیم کر دیا اور وہ اُسی حوالے سے نامور ہوئے مگر بین السطور حقائق کا تجزیہ کرنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ براہِ راست یا لا شعوری طور پر کسی نہ کسی سوچ، فکر، خیال یا سیاسی نظریے کی حکمرانی میں اپنی مرکزیت قائم رکھے ہوئے تھے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

اردو کی کرداری ناول نگاری کے باب میں ایک اور پہلو یکساں اہمیت کا حامل رہا ہے، جس میں سیاسی تشخص کے حامل کرداروں پر مبنی ناول شامل ہیں۔اس میں براہِ راست سیاسی شخصیات یا افراد زیر بحث نہیں لائے گئے لیکن ان ناولوں کے موضوعات، کرداروں کا چناؤ، عہد اور ماحول اس سیاسی شخصیت کے خدوخال کو نمایاں کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے اور قاری، نقاد یا محقق قدرے دقتِ نظر کے ساتھ اس کی شخصیت کی شناخت کرنے میں پوری طرح کامیاب ہو جاتا ہے۔ یہاں دو سوال ضمنی طور پر زیرِ بحث لائے جاسکتے ہیں۔ اولاً مصنف نے براہِ راست سیاسی کرداروں کا حوالہ کیوں نہیں دیا؟ دوسرا اس عہد کی سیاسی صورتِ حال کی عکاسی بغیر کرداری حوالے سے کیسے ممکن ہوئی؟ اس سلسلے میں طویل بحث سے اجتناب کرتے ہوئے یہ کہنا کافی ہو گا کہ ہر زمانے میں سیاسی شخصیت کو زیرِ بحث لانے کی روایت بہت سی پابندیوں کا شکار رہی ہے نیز من و عن اس سیاسی اکھاڑ پچھاڑ اور سیاسی خلفشار کو ناول کا حصہ بنانا مصنف کے لیے سماجی، اخلاقی اور قانونی پہلوؤں سے خاصا مشکل تھا۔ اس لیے سیاسی کردار نگاری کرتے ہوئے ناول نگاروں نے ایک محفوظ طریقِ کار کا سہارا لیا اور کسی بھی دوسری سیاسی صورت حال کو اُس شخصیت سے جوڑ کر اس مشکل مرحلے کو آسانی سے طے کر لیا۔

مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہاں واقعات، کردار اور ماحول تمثیلی اور علامتی سطح پر زیرِ بحث لائے گئے تاکہ کسی بھی نوعیت کی قانونی اور سماجی گرفت سے بچا جاسکے۔ اس میں ڈپٹی نذیر احمد کا ناول "ابن الوقت" بھی ادب میں زیر بحث رہا، جس میں ایک مخصوص عہد کا سیاسی و تاریخی منظر نامہ بیان کیا گیا اور جس کو پڑھتے ہوئے سر سید کی شخصیت، ان کا سیاسی و سماجی کردار بہت سے فکری اختلافات کے ساتھ ناول میں ابھر کر سامنے آیا۔ یہاں بظاہر تو برصغیر کے تہذیبی خلفشار کا دور سامنے لایا گیا، لیکن اس پس منظر میں سر سید کی علمی، فکری اور سیاسی سرگرمیاں بھی علامتی اور تمثیلی انداز میں بیان کی گئی ہیں۔ یہاں اس امر کا ذکر کرنا ضروری ہے کہ ہر عہد کے ایسے یا رزمیے میں وہاں کی سیاسی صورت حال بنیادی اہمیت کی حامل ہوتی ہے یا یہ سارے عوامل سیاسی تغیر و تبدل کا پیش خیمہ ہوتے ہیں لہٰذا یہاں اس امر کا اظہار ملتا ہے کہ ڈپٹی نذیر احمد نے برصغیر کی سیاسی ابتری اور ۱۸۵۷ء کے بعد کی شکست و ریخت کی منظر کشی کی ہے اور یوں ناول میں موجود کردار اور اُن کا ماحول ایک اور زاویۂ نظر سے سیاسی معنویت کا حامل ہے جو ڈپٹی نذیر احمد کے نظریات کا نتیجہ ہیں۔ ناول میں ہندو مسلم تعلقات، حکمرانوں کی ناانصافی، انگریز عمل داری اور اس سے وابستہ کردار باندازِ دیگر سیاسی پہلو بھی لیے ہوئے ہیں۔ اس تمام بحث سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ نذیر احمد نے یہ علامتی اور تمثیلی انداز اختیار کر کے ناول میں سیاسی کرداروں کی شمولیت کی راہ بھی ہموار کر دی اور یہ روایت اگر معدوم نہیں ہوئی تو کم از کم مستحکم نہ ہو سکی جو یقیناً ہر عہد کے سیاسی دباؤ، جبر اور ریاستی قوانین کے تسلط کی وجہ سے

حرف و سخن
HARF-O-SUKHAN
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 4 No.4 2020

ہے۔اسی طرح قیام پاکستان کے فوراً بعد فسادات کے موضوع پر لکھے گئے ناول خالصتاً سیاسی پس منظر لیے ہوئے ہیں۔ انگریز حکومت کی ریشہ دوانیاں، ہندو مسلم تنازعات، برصغیر میں سیاسی شورشیں، اقدار کی شکست وریخت، سماجی توڑ پھوڑ کا بیان، ہر پہلو سے ایک مخصوص سیاسی فکر کو اجاگر کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے اور اس سے وابستہ تمام کردار تاریخی اور سیاسی خدوخال سے تکمیل پاتے ہیں۔ فضل کریم فضلی کا ناول ''خونِ جگر ہونے تک''، عبد اللہ حسین کے ناول "اداس نسلیں "میں نسلوں کے ارتقا اور تصادم کے ساتھ ساتھ، سیاسی ماحول اور مناظر کا بیان بھی دکھائی دیتا ہے، یہاں کرداروں کا ہجوم ہے جو برصغیر کی تقسیم سے پہلے اور بعد کی صورتحال سے دو چار ہیں اور مخصوص طرزِ سیاست اور اس سے منسلک نتائج کے نتیجے میں جنم لیتے ہیں۔ 'اداس نسلیں' دیگر تہذیبی و ثقافتی عوامل کے علاوہ سیاسی کرداروں سے مزین دکھائی دیتا ہے۔انتظار حسین کا ناول ''آگے سمندر ہے'' ایک فکری وسیاسی پس منظر لیے ہوئے ہے۔یہاں کردار اساطیری، تہذیبی، ثقافتی اقدار کے حامل ہوتے ہوئے بھی ایک مخصوص سیاسی المیے کی ترجمانی کرتے ہیں اور انتظار حسین کا تقسیم سے متعلق سیاسی طرزِ اظہار یہاں پورے طور پر جھلکتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ بانو قدسیہ کا ناول ''راجہ گدھ'' فرد کو گدھ جاتی میں تبدیل کر دینے کا المیہ بیان کرتا ہے ایسا کیوں کر ہوا؟ وہ کون سے عوامل تھے جنھوں نے امتل، سیمی شاہ، پروفیسر سہیل، نعیم اور دیگر کرداروں کو جنم دیا۔ یہ منتشر صورتِ حال اور مخدوش منظر نامہ کس سیاسی سانحے کے نتیجے میں وقوع پذیر ہوا۔کسی بحث میں جائے بغیر اس ٹھوس فکری حقیقت کو تسلیم کر لینا ضروری ہو گا کہ فی الواقع یہ وہی تقسیم اور فسادات کا سیاسی المیہ ہے جس میں مختلف طرزِ احساس رکھنے والے مصنفین نے ماحول اور کرداروں کی تبدیلی کے ساتھ ایک ایسی مانوس فضا پیدا کی جو ان کی اپنی سوچ اور فکر کی نمائندگی کرتی تھی۔ ہر دو صورتوں میں ایک ہی بنیادی سیاسی المیہ ہے جہاں آکر کردار، ان کے نام، اُن کے خدوخال، ان کا ماحول اور منظر نامہ بدل بدل کر ہمارے سامنے آتا ہے، مگر ان کے سیاسی پس منظر سے کسی طور بھی انحراف نہیں کیا جا سکتا۔

اردو ناول نگاری میں پاکستان بننے کے فوری بعد لکھے جانے والے ناولوں پر اگر ایک نظر ڈالی جائے تو یہ امر اور بھی نمایاں ہو جاتا ہے کہ ایک ہی تہذیبی وسیاسی المیے نے مصنفین کے مختلف گروہوں کو بُری طرح متاثر کیا ۔ دو واضح نقطہ ٔ ہائے نظر رکھنے والے ناول نگاروں میں انتظار حسین اور جدید ناول نگاروں میں ڈاکٹر انور سجاد، عبد اللہ حسین کے نام بہت تواتر سے لیے گئے اور ان مصنفین نے تقسیم کے سیاسی سانحے کو اپنے اپنے حوالے سے اپنے فن کا حصہ بنایا۔ ناول نگاروں کے ایک گروہ نے ہجرت، فرد کی بے بسی، انسان کی تنہائی اور فرد کے نفسیاتی اور روحانی مسائل کو زیرِ بحث لانے کی کوشش کی ۔ جب کہ دوسری طرز کے ناول نگاروں نے قدرے ترقی پسندانہ اندازِ فکر

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 4 No.4 2020

اختیار کرتے ہوئے اس تہذیبی و سیاسی المیے کو روشن خیالی، تدبیر کاری، جدید علوم اور سائنٹیفک سیاسی نظریات کے سہارے اسی معاشرتی بحران کا حل نکالنے کی راہ ہموار کی۔ لہٰذا ان تمام ادیبوں کے ہاں بالواسطہ طور پر سیاسی پس منظر دکھائی دیتا ہے۔

ان دلائل و شواہد کی روشنی میں یہ حقیقت ابھر کر سامنے آتی ہے کہ اردو میں کرداری ناول نگاری کی روایت میں سیاسی تشخص کے حامل کرداروں کی اردو ناول میں مرکزیت بالواسطہ طور پر موجود رہی ہے۔ اس ضمن میں ناول نگاروں کی سیاسی و سماجی مشکلات کب تک انھیں بالواسطہ طور پر یہ انداز اختیار کیے رکھنے پر قائم رکھیں گی، اس کا تعین کرنا سرِ دست ممکن نہیں ہے، لیکن بدلتے ہوئے عالمی، سیاسی منظر نامے کو پیش نظر رکھ کر یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ سیاسی تشخص کے حامل کرداروں پر مبنی ناول کی روایت بہت طاقت ور اور موثر طریقے سے ادب میں جگہ پائے گی۔ یہ امر یقینی ہے کہ آنے والے وقت میں ناول نگار اس طرزِ نگارش کو اختیار کرنے پر مجبور ہوں گے کہ اس کے بغیر زندہ معاشرے اور سماج کی حقیقی تصویر کو سامنے نہیں لایا جا سکتا۔

حوالہ جات

۱۔ فیروز اللغات اردو جامع، مرتبہ الحاج مولوی فیروز الدین، لاہور، راولپنڈی، کراچی: فیروز سنز لمیٹڈ، س ن، ص:۸۲۰

2۔ https: // en.m.wikipedia. org / wiki / politics.

3۔ Herbert broom, A collection of legal maxims, London:maxwell and son, 1845, P:23

4۔ Sir William Blackstone, Halsbury,s law of England, crown and Royal Family, volome 12, lnuic publishers, 2015, P:2

۵۔ مظفر عباس، ڈاکٹر، اردو ناول کا سفر، لاہور: گوہر پبلیکشنز، ۱۲ کبیر سٹریٹ، س۔ن، ص:۷۶

۶۔ عبداللہ، ڈاکٹر سید، وجہی سے عبدالحق تک، لاہور: بیکن بکس، ۱۹۹۴ء، ص:۳۶۸

۷۔ تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاک وہند، مرتب از خواجہ محمد زکریا، ڈاکٹر، جلد چہارم، لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۷۶ء، ص:۱۴۵

۸۔ تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاک وہند، مرتب از خواجہ محمد زکریا، ڈاکٹر، نویں جلد، حوالہ مذکور، ص:۳۴۷

۹۔ ڈاکٹر مظفر عباس، حوالہ مذکور، ص:۸۴، ۸۵

۱۰۔ ایضاً، ص:۸۵

۱۱۔ علی عباس حسینی، ناول کی تاریخ اور تنقید، لاہور: لاہور اکیڈمی، ۱۹۶۵ء، ص:۲۳۲، ۲۳۱